مولوی اے کے فضل الحق

متحدہ بنگال کی سیاست کا محور (۱۹۱۳ـ۱۹۴۷)

سید آصف علی رضوی

مولوی فضل الحق (۱۹۱۳ـ۱۹۴۷) نہ صرف بنگال بلکہ پورے برصغیر کی ایک عہد ساز شخصیت تھے جن کی سیاسی سرگرمیاں دریا کی طرح تند و تیز تھیں اور اپنے اندر ایک لگن، جذبہ اور تڑپ سموئے ہوئے تھیں۔ آپ نے آل انڈیا کانگرس سے علیحدگی اختیار کی مگر حکومت برطانیہ کی کبھی مدح سرائی کی نہ ہی ان سے کبھی خطابات اور اعزازات وصول کئے۔ مسلم لیگ کو خیرباد کہا تو ہمیشہ برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کے مفادات کی نگہبانی کرتے رہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مخلوط وزارت تشکیل دی لیکن وزارت میں مسلمانوں کی نہ صرف بالادستی قائم رکھی بلکہ انہیں کے ہاتھوں مسلمانان بنگال کے حقوق کا تحفظ کرایا۔

خاندانی پس منظر و ابتدائی حالات زندگی

مولوی اے۔ کے فضل الحق بنگال کے ایک نامور خاندان کے چشم و چراغ تھے جنکا سلسلہ نسب حضرت خالد بن ولید[1] سے جا ملتا تھا۔ آغا باقر خان اسی خاندان کی وہ معروف ہستی تھے جو کہ نہ صرف ایک نامور مسلم افغان سپہ سالار تھے بلکہ انہی کے نام پر بنگال کے مشہور ضلع باقر گنج کا نام رکھا گیا تھا۔ ان کی اکلوتی بیٹی[3] کی شادی امیر آف گلابری سے ہوئی جن کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جسکا نام شریف النساء تھا۔ شریف النساء کی شادی سید فجر علی[4] سے ہوئی۔ جن کی بیٹی فاطمہ خاتون کی شادی قاضی محمد امین سے ہوئی جن کے ہاں ۱۸۲۰ء[5] میں قاضی محمد اکرم پیدا ہوئے۔ محمد اکرم نے تمام مروجہ علوم پر دسترس حاصل کی اور حصول تعلیم کے بعد میر امداد علی کی صاحبزادی زینت النساء[6] سے شادی کی۔ ۱۸۴۳ء میں ان کے ہاں ایک بیٹا ہوا جس کا نام انہوں نے محمد واجد[7] رکھا۔ محمد

واجد نے اپنی تمام توجہ حصول علم پر مرکوز رکھی۔ وہ متحدہ بنگال کے تیسرے [۸] مسلم گریجویٹ اور دوسرے [۹] لاء گریجویٹ تھے۔ محمد واجد کی رفیقہ حیات کا نام سعید النساء تھا جو باریسال کے ایک نامور خاندان کے فرد مولوی احمد علی کی صاحبزادی تھیں۔ ۲۶ [۱۰] اکتوبر ۱۸۷۳ء کو ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جسکا نام ابو القاسم فضل الحق رکھا گیا۔

فضل الحق نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ چودہ سال کی عمر میں انٹرنس پاس کیا۔ ایف اے کے امتحان میں پورے ڈھاکہ ڈویژن میں اول "آئے۔ ۱۸۹۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان اس امتیاز سے پاس کیا کہ بیک وقت ریاضی۔ کیمیاء اور طبیعیات میں آنرز کیا [۱۲]۔ ۱۸۹۶ء میں اسی یونیورسٹی سے ریاضی میں ایم۔ اے کی ڈگری لی اور اگلے ہی سال قانون کے گریجویٹ بن گئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ان کی شادی بنگال کے ایک معزز [۱۳] خاندان کی صاحبزادی خورشید طلعت بانو بیگم سے ہوئی جن کے بطن سے دو بیٹیاں بھی پیدا ہوئیں۔ لیکن یہ شادی ناکامی [۱۴] پر منتج ہوئی۔ دوسری شادی زینت النساء سے ہوئی جو صاحب اولاد نہ ہو سکیں۔ تیسری شادی انہوں نے ۱۹۴۱ء میں میرٹھ کے ایک معزز خاندان کی صاحبزادی خدیجہ بیگم سے کی، جن سے ان کے اکلوتے فرزند فیض الحق (۱۹۴۲ء) پیدا ہوئے۔

عملی زندگی کا آغاز

فضل الحق نے ۱۹۰۰ء میں وکالت کا آغاز کیا۔ اپنے زمانے کے مشہور وکلاء ڈاکٹر راش بہاری گھوش اور سر اسوتوش مکرجی کے معاون بنے۔ جو کہ کلکتہ ہائی کورٹ سے منسلک تھے۔ اسی سال بنگال سرحد BENGAL SURHID کے جوائنٹ ایڈیٹر بنے اور یہ فریضہ تین سال تک انجام دیتے رہے ۱۹۰۱ء میں بنگالی میگزین بالک (BALUK) کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور یہ ذمہ داریاں ۱۹۰۶ء تک نبھاتے رہے۔ ۱۹۰۳ء میں راج چندرا کالج باریسال میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ جو کہ صرف ایک سال تک جاری رہ سکا۔

گورنر مشرقی بنگال و آسام سر بمپفائلڈ فلر نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ۱۹۰۶ء میں ان

کا تقرر بحیثیت ڈپٹی مجسٹریٹ کیا۔ تھوڑے عرصے بعد ہی وہ جمال پور میں او۔ ایس۔ ڈی مقرر کر دیئے گئے۔ انہی ایام میں جمال پور میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ فضل الحق نے اپنی ذمہ داریوں کو جس حسن وخوبی سے نبھایا اور ایک ایماندار، فرض شناس افسر کیطرح جس طریقے سے حالات کو سنبھالا اسکو تمام متعلقہ فریقین نے بنظر احسن دیکھا۔ ۱۹۰۸ء میں بنگال، بہار اور آسام کو آپریٹو سوسائٹیز کے اسسٹنٹ رجسٹرار مقرر ہوئے۔

سیاسی زندگی کا آغاز

فضل الحق کی تعلیمی قابلیت اور برطانوی حکومت کا حصہ بننے کے احساس تفاخر کا اعجاز تھا کہ وہ پانچ سال تک تو حکومتی عہدوں کی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے لیکن ان کی جولانی طبع، قومی خدمت کا جذبہ اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کے لیے یہ میدان ناموافق تھا۔ وہ لپنے تمام تر احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کے باوجود زندگی کے اس ڈگر سے مطمئن نہ تھے۔ ابھی وہ گومگو کی حالت میں تھے کہ ان کے محکمے میں ان کے ساتھ ایک واضح اور صریح[15] زیادتی کا ارتکاب کیا گیا۔ انہوں نے ۱۹۱۱ء میں لپنے[16] ساتھیوں سے مشورہ کرکے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کلکتہ بار سے وکالت کا آغاز کیا۔

فضل الحق نے جس وقت وکالت کا آغاز کیا اس وقت سیاسی صورتحال میں کشیدگی، کشمکش اور انتشار کا عنصر غالب آچکا تھا۔ ہندوؤں کی طرف سے تنسیخ تقسیم بنگال (۱۹۰۵ء) کی پرتشدد تحریک کی بناء پر ہندو مسلم کشیدگی میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ حکومت کے اعلان تنسیخ تقسیم بنگال (۱۹۱۱ء) نے جہاں ہندوؤں کو ایک نیا عزم اور حوصلہ بخشا، وہاں مسلمانوں کو مایوسی کی اتھاہ[17] گہرائیوں میں ڈالدیا تھا۔ آئینی وقانونی حدود میں رہ کر جدوجہد کو کمزوری سمجھا جارہا تھا اور لاقانونیت کی راہیں کامیابی کی ضامن سمجھی جارہی تھیں۔ سرسید احمد خاں (۱۸۹۸ء۔ ۱۸۱۷ء) کی جہد مسلسل اور محنت شاقہ کی بدولت انگریزوں اور مسلمانوں میں جو باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوئی تھی، وہ مفقود ہو گئی۔ اس نازک پرآشوب اور تاریخ ساز ماحول میں فضل الحق نے سیاست میں قدم رکھا۔

۱۹۱۳ء میں فضل الحق رائل کمیشن برائے پبلک سروس کے روبرو بطور گواہ [۱۸] پیش ہوئے اور جس فصاحت و بلاغت اور عمدگی کے ساتھ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کی نمائندگی کی وہ ان کے شاندار مستقبل کی نوید تھی ۔اسی سال وہ ڈھاکہ کے مسلم دیہاتی حلقے سے بنگال کی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب [۱۹] ہوگئے ۔انہوں نے بنگال کے مسلمانوں کی نمائندگی اس بھرپور انداز میں کی کہ وہ مسلسل ۴۱ سال یعنی [۲۰] ۱۹۵۴ء تک مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے اسمبلی میں مصروف رہے ۔

بنگال مسلم لیگ سے وابستگی

۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہونیوالے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے داعی نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ (۱۹۱۵ ـ ۱۸۸۴ء) تھے ۔اس کانفرنس کے انتظامات کیلئے نواب صاحب نے قومی خدمات سے سرشار باصلاحیت مسلم نوجوانوں کی ایک ٹیم منتخب کی جس نے اس تاریخی اجلاس کے تمام انتظامات کو بحسن وخوبی پورا کیا ۔مولوی فضل الحق اس میں پیش پیش [۲۱] تھے ۔ نواب سلیم اللہ خاں ۱۹۱۲ء میں بنگال مسلم لیگ کے صدر تھے تو وہ فضل الحق کی صلاحیتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوئے [۲۲] ۔چنانچہ ۱۹۱۳ء میں فضل الحق مسلم لیگ کے سیکرٹری منتخب ہوگئے ۔یہ عہدہ ان کے پاس ۱۹۱۶ء تک رہا ۔فضل الحق کو یہ ذمہ داری نواب سلیم اللہ کے مشورے پر دی گئی ۔نواب صاحب کی ۱۹۱۵ء میں اچانک وفات پر وہ ان کے سیاسی جانشین بنکر ابھرے ۔اسی سال انہوں نے بنگال مسلم لیگ کی صدارت کی ۔ [۲۳]

آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستگی

مسلم لیگ نے بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں ۱۹۱۶ء کے سال نو کے موقع پر ایک اجلاس بلوایا جس کی صدارت مظہر الحق (۱۹۳۰ء ـ ۱۸۶۹ء) نے کی ۔اس میں متحدہ ہندوستان کے نام پر ریفارم سکیم تیار کرنے کیلئے ہند کے تمام صوبہ جات کے مسلم نمائندوں پر مشتمل ۷۱ رکنی کمیٹی بنائی گئی ۔اسمیں بنگال کے نمائندوں کی قیادت فضل الحق [۲۴] کر رہے تھے ۔انہوں نے لیگ اور کانگریس کے اس مشترکہ اجلاس میں بھی شرکت کی تھی جسکے نتیجے میں ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ [۲۵] پیکٹ منظور ہوا تھا

اس پیکٹ پر جن رہنماؤں نے مسلم لیگ کی طرف سے دستخط کیے تھے، فضل الحق ان میں سے ایک تھے۔[۲۶]

۲۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو فضل الحق نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدارت کی[۲۷]۔ اس جلسہ میں فضل الحق نے جو صدارتی خطبہ دیا اس میں تحریک خلافت (۱۹۱۸ء) مسئلہ جزیرۃ العرب (۱۹۱۸ء) ترکی اور مقامات مقدسہ اور دیگر اسلامی دنیا کے سیاسی مسائل زیر بحث[۲۸] لائے گئے تھے۔ بعض مورخین[۲۹] نے لکھا ہے کہ فضل الحق ۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۱ء آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے، جو درست نہیں۔ وہ صرف ۱۹۱۸ تا ۱۹۱۹ء مسلم لیگ کے صدر[۳۰] بنے تھے۔

انڈین نیشنل کانگریس میں کردار

فضل الحق کی سیاسی اہمیت اس قدر تھی کہ جس زمانے میں وہ مسلم لیگ میں ایک فعال کردار ادا کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں وہ صوبائی اور مرکزی انڈین نیشنل کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں میں سے بھی ایک سمجھے جاتے تھے۔ ۱۹۱۷ء میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے جوائنٹ سیکریٹری بنے ۱۹۱۹ء-۱۹۱۸ء میں وہ جنرل سیکریٹری بنا دیئے گئے۔ اسی سال سانحہ جلیانوالہ باغ (۱۹۱۹ء) کے ضمن میں کانگریس کی جانب سے جو تحقیقاتی کمیٹی بنی، وہ اس کے ممبر[۳۱] بنا دیئے گئے۔ ۱۹۲۰ء میں وہ بنگال صوبائی نیشنل کانگریس مدناپور کے اجلاس کے صدر بنائے گئے[۳۲]۔ اس طرح وہ بیک وقت ہندوستان کی دو اہم ترین جماعتوں کے مقتدر رہنما شمار کیے جاتے تھے۔ جو ان کی بلند خیالی۔ عوام دوستی اور ذہانت کا ایک نادر نمونہ تھا۔

بحیثیت بانی کرشک پرجا پارٹی

بنگال بنیادی طور پر ایک زرعی لیکن مفلوک الحال صوبہ تھا جہاں ۹۰% آبادی زراعت سے وابستہ تھی۔ آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ فضل الحق کی دوربین نگاہوں سے یہ بات اوجھل نہ رہی کہ صوبے میں کوئی بھی تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس گروہ آبادی کی حمایت حاصل نہ کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پہلی انتخابی تقریر میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ غربت و افلاس کے مارے کسانوں اور معاشرے

کے پسے ہوئے طبقات آبادی کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ لہذا انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان کی ہدایت پر ہر ضلع و تحصیل کی سطح پر کرشک پراجا تنظیمیں قائم ہوئیں (کسان پارٹی)۔ ان کی انتھک محنت۔ غیر معمولی تنظیمی صلاحیتوں اور مدلل تقریروں و نجی گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبے کی مقتدر [۳۳] شخصیات اس پارٹی کا گرانقدر اثاثہ بن گئیں۔ یہ تحریک ۱۹۲۴ء میں ایک تاریخ کرشک پراجا کانفرنس منعقدہ ڈھاکہ کے موقع پر ایک سیاسی جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے صوبے کی اہم جماعتوں میں اسکا شمار ہونے لگا۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں یہ اپنی مقبولیت کی [۳۴] انتہاء کو پہنچ گئی۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فضل الحق کی موثر و فعال قیادت کا ہی ثمر تھا کہ مفلوک الحال کسان اپنے حقوق کیلئے منظم ہوئے۔ اس جماعت کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ یہ ہندوستان کی فرقہ وارانہ مسموم فضا میں تمام انسانی برادری کی بہتری کیلئے معرض وجود میں آئی تھی اور ہر قسم کے تعصبات اور مذہبی اختلافات سے پاک تھی۔

بانی سنٹرل نیشنل محمڈن ایجوکیشنل ایسوسی ایشن

فضل الحق پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ مسلمان جب تک تعلیمی میدان میں قابل ذکر پیش رفت نہیں کرینگے اس وقت تک وہ اپنی معاشی و معاشرتی حالت بہتر نہیں بنا سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۱۲ء میں سنٹرل نیشنل محمڈن ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ جس کی کوششوں کا ثمر تھا کہ حکومت کی جانب سے مسلمان طالبعلموں کو مالی اعانت بھی میسر آنے لگی تھی بعد میں اسی ایسوسی ایشن کی کوششوں سے کلکتہ میں مسلمان طالبعلموں کی رہائش کیلئے ۱۹۱۶ء میں دو کارمائیکل ہوسٹل (CARMICHAEL HOSTEL) اور ٹیلر ہوسٹل تعمیر ہوئے۔ اس طرح اس تنظیم نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو سدھارنے میں ایک اہم کردار [۳۵] ادا کیا۔

تحریک خلافت میں کردار

برصغیر کی پہلی عوامی تحریک، تحریک خلافت [۳۶] کیلئے فضل الحق کی کاوشیں نہایت قابل قدر ہیں۔ آپ نے مولانا محمد علی جوہر (۱۹۳۱ء - ۱۸۷۸ء) کے ساتھ پورے ملک کا دورہ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں بمبئی

میں آل انڈیا خلافت کانفرنس میں شرکت کی اور اس میں جس جوش و خروش سے فضل الحق نے حصہ لیا، اسکا ان کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ ۲۴ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں منعقد ہونیوالی خلافت کانفرنس کا صدر ان کو بنایا گیا۔ کانفرنس میں انہوں نے نہایت جرات و بیدار مغزی کے ساتھ مسلمانوں کے مطالبات اور جذبات کی نمائندگی کی اور اپنے خطبہ صدارت میں یہ نظریہ دیا کہ خلافت کے مسئلہ پر غیر مسلم آبادی کی اعانت بھی حاصل کی جائے[۳۷]۔ بعد میں اسی نظریے کی بنیاد پر گاندھی جی (۱۹۴۸ء - ۱۸۶۹ء) نے اس تحریک کی قیادت سنبھالی۔ اسی کانفرنس میں اتحادیوں کے جشن فتح کے بائیکاٹ کا ریزولیوشن منظور ہوا[۳۸]۔

تحریک خلافت کے آغاز میں فضل الحق مسلم بنگال کے ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے صف اول کے رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ بیک وقت انڈین نیشنل کانگریس، آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا خلافت کمیٹی میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کی استعمار دشمنی اور ہندوستان کے مفلوک الحال انسانوں سے ہمدردی نے انہیں سیاست میں ایک قدآور شخصیت بنا دیا۔ اسی زمانے میں ہند کی سیاست میں دو عناصر تبدیلی کا سبب بنے۔ اول یہ کہ ترکی کو شکست فاش ہوئی اور اس پر معاہدہ سیوریز[۳۹] (۱۹۲۰ء) مسلط کر دیا گیا جس نے پورے برصغیر کی ملت اسلامیہ کو ہیجان میں مبتلا کر دیا۔ دوسرے یہ کہ مانٹگو چیمسفورڈ اصلاحات[۴۰] (۱۹۱۹ء) نافذ کی گئیں جو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو قابل قبول نہیں تھیں۔ چنانچہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں کرسمس کے بعد ۱۹۲۰ء میں ناگپور میں مسلم لیگ اور کانگریس کے اجلاس منعقد[۴۱] ہوئے جن میں دونوں جماعتوں نے تحریک ترک موالات شروع کرنیکی منظوری دی اور تحریک خلافت بھی ان کی ہمنوا بن گئی۔

مسلم لیگ کی تحریک ترک موالات کی منظوری کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح (۱۹۴۸ء - ۱۸۷۶ء) سر محمد شفیع (۱۹۳۲ء - ۱۸۷۷ء) اور دیگر لیگی رہنماؤں نے اس تحریک سے کلی طور پر لاتعلقی رکھی کیونکہ ان حضرات کے خیال کے مطابق یہ پروگرام مسلمانوں کیلئے ضرررساں تھا۔ البتہ فضل الحق نے ولائتی اشیاء اور سرکاری اعزازات ترک کرنے کی حد تک اس تحریک میں شمولیت پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن جہاں تک تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کا تعلق تھا وہ اس پر کسی بھی حالت

میں تیار نہیں ہوئے۔ ان کی پیش بینی سے یہ بات مخفی نہیں رہی کہ یہ فیصلہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کیلئے زہر ہلاہل بن جائیگا جو پہلے ہی خوفناک حد تک تعلیمی پسماندگی کا شکار ہے چنانچہ انہوں نے لیگ۔ کانگریس اور تحریک خلافت سے طویل سیاسی رفاقت کے باوجود اس تحریک میں ان کی ہمنوائی سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ پوری شدومد کے ساتھ اسکی مخالفت بھی کی [۴۲]۔ فضل الحق کا یہ قدم نہ صرف ان کی غیر معمولی سمجھ بوجھ کا مظہر تھا بلکہ ان کے اس اقدام نے مسلمانوں کو ایک ایسے نقصان سے بچالیا جو ناقابل تلافی تھا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی طرح انڈین نیشنل کانگریس کا وہ طبقہ جسے عرف عام میں اعتدال پسند کہا جاتا تھا، دسمبر ۱۹۱۹ء ہی میں اجلاس امرتسر کے بعد کانگریس سے قطع تعلق کر چکا تھا۔ اس طبقے میں جو لوگ شامل تھے ان میں سرتیج بہادر سپرو، سی۔ وائی۔ چنتامنی، سر چمن لال سیتل واد، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، سری نواس شاستری، سریندرا ناتھ بینرجی، ڈاکٹر پرنجے، پنڈت جگن نرائن، ڈاکٹر جیکر اور این سی کیلر وغیرہ شامل تھے۔ ان معتدل رہنماؤں نے نئی اصلاحات کے تحت منعقد ہونیوالے انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ فضل الحق بھی انہی رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ انہوں نے ڈھاکہ (مغربی) کے مسلم دیہاتی حلقے سے انتخاب لڑا اور کامیاب ہوئے۔

فضل الحق بحیثیت وزیر تعلیم

مفلوک الحال مزارعوں کی حمایت اور غریب و نادار طلبہ کی اعانت فضل الحق کی شناخت رہی ہے۔ ان کا سب سے بڑا نقاد اور ہم عصر سیاسی رہنما و مورخ لکھتا ہے کہ وہ غریبوں اور خصوصاً نادار طلبہ کی اعانت و امداد کرنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے بلکہ بعض اوقات وہ قرض [۴۳] لیکر بھی ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں چھ ماہ کی مختصر سی [۴۴] مدت کیلئے وہ وزیر تعلیم مقرر ہوگئے۔ اس دوران انہوں نے اسلامیہ کالج کلکتہ کے قیام کی کوششیں کیں اور انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ یہ کالج جولائی ۱۹۲۶ء میں قائم ہوگیا جس نے بعد میں حصول پاکستان کی جدوجہد میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ مزید برآں، انہوں نے کئی مسلم تعلیمی اداروں کو دو منزلہ کرایا۔ مسلمانوں کیلئے علیحدہ ڈائریکٹریٹ [۴۵] قائم کیا۔ مسلم انسٹیٹیوٹ کلکتہ کی قدیم و تنگ عمارات کی جگہ دو منزلہ وسیع عمارت تعمیر کرائی۔

مسلم ہوسٹل اور کالج قائم کرائے [۴۶]۔ بنگال میں فارسی اور عربی پڑھانے پر توجہ نہیں دی جاتی تھی اور مناسب اساتذہ کی فراہمی میں باقاعدہ منصوبے کے تحت رکاوٹ ڈالی جاتی تھی۔ بحیثیت وزیر تعلیم فضل الحق نے اسپر خصوصی توجہ دی اور اپنی وزارت کے دوران بطور پالیسی ان دونوں زبانوں کے اساتذہ کو کثیر تعداد میں بھرتی کیا جس سے ان زبانوں کے طالبعلموں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ انہوں نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی خاطر خواہ تعداد کو ملازم رکھا جائے اور سکولوں اور کالجوں میں بھی مسلمانوں کیلئے مناسب سیٹیں مخصوص [۴۷] کر دی جائیں۔ ہونہار مسلم طلباء کیلئے باقاعدہ ایک [۴۸] رقم مہیا کی جسکو مسلم تعلیمی فنڈ کا نام دیا گیا۔

اسی سال فضل الحق نے ریفارم انکوائری کمیٹی کو ایک یادداشت بھیجی جس میں نمائندہ حکومت میں توسیع اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے تسلی بخش اقدامات [۴۹] پر زور دیا۔ ۲ مئی ۱۹۲۵ء کو فرید پور میں منعقد ہونیوالی بنگال مسلم کانفرنس میں فضل الحق نے خطبہ صدارت پیش کیا۔ اسمیں انہوں نے بنگالی مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ہندو ایک طاقتور حکومت خود اختیاری کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زیادہ قوت کا ارتکاز ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلا جائیگا۔ انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ بھی ہندوؤں کی طرح مذہبی خطوط پر اپنے آپ کو منظم کریں۔ ہندو مہاسبھا کی طرح مذہبی خطوط پر ایک جماعت معرض وجود میں لاکر اسکی شاخیں پورے بنگال میں پھیلا دیں [۵۰]۔

اس دور میں فضل الحق کی سیاست میں ایک تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک طرف وہ ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کیلئے ہندو مہاسبھا کی طرز پر ایک مذہبی جماعت بنانا چاہتے ہیں جبکہ دوسری طرف وہ مرکزی سیاست میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرتے ہیں۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو نہرو رپورٹ (۱۹۲۸ء) پر غور و خوض کیلئے الہ آباد میں ایک نیشنلسٹ کانفرنس ڈاکٹر ایم۔ اے انصاری (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۳۶ء) منعقد ہوئی [۵۱]۔ اس کانفرنس میں بنگال سے فضل الحق، ابو حسین سرکار، مولانا محمد اکرم خاں، اشرف الدین اور حسین شہید سہروردی نے شرکت کی۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ کسی نہ کسی شکل میں کانگریس اور نہرو رپورٹ [۵۲] کی تجاویز کو تسلیم کر لیا جائے۔ جبکہ حسین

شہید سہروردی (۱۹۶۳ء۔ ۱۸۹۲ء) نے اس کانفرس میں یہ موقف اختیار کیا کہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی مخصوص نشستوں کے حق کو ہر صورت میں برقرار رکھا جائے۔

سائمن کمیشن (۱۹۲۷ء) کے ساتھ گفت و شنید کرنے کیلئے مسلمانان بنگال پر مشتمل ایک کمیٹی [۵۳] بنائی گئی تھی۔ فضل الحق بھی اس کمیٹی کے ایک رکن تھے۔ فضل الحق نے اس کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا اور ان لوگوں کی زبردست مخالفت کی جو بنگال میں ایوان بالا قائم کرنا چاہتے تھے۔

فضل الحق ان مسلم مندوبین میں شامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کی نمائندگی تینوں [۵۴] گول میز کانفرنسوں میں کی تھی۔ پہلی گول میز کانفرنس (۱۹۳۰ء) کے دوسرے اجلاس میں فضل الحق نے جو تقریر کی اس میں انہوں نے برطانیہ کے جابرانہ اقدامات اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اسی تقریر میں انہوں نے لکھنؤ پیکٹ پر روشنی ڈالتے ہوئے اسکو پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کیلئے مضر قرار دیا حالانکہ وہ خود اس پیکٹ پر دستخط کرنیوالوں میں سے ایک تھے [۵۵]۔ انتشار فکر کا یہ انداز ان کی سیاست میں جا بجا نظر آتا ہے۔

گول میز کانفرنسیں اگرچہ کسی بھی واضح نتائج کی حامل نہیں ہوسکی تھیں لیکن اس کے بعد حکومت برطانیہ نے جس کیمونل ایوارڈ (۱۹۳۲ء) کا اعلان کیا وہ کسی نہ کسی حد تک مسلمانوں کے مطالبات کے ہم آہنگ تھا۔ اسی وجہ سے فضل الحق نے اس ایوارڈ پر نظرثانی کی تحریک کی مخالفت کی۔ اس تحریک کے خلاف اور ایوارڈ کے حق میں بہت سے جلسے کیئے اور اس ایوارڈ کے تحت حاصل ہونیوالے ثمرات کو تحفظ دینے کی بھرپور کوششیں کیں۔ [۵۶]

۱۹۳۰ء میں آپ کلکتہ کارپوریشن کے کونسلر منتخب ہوئے اور ۱۹۳۴ء میں میئر بنے۔ وہ پہلے مسلمان تھے جو اس اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن ہندوؤں نے ان کے خلاف زبردست ہنگامے کیے۔ بالاخر انگریز گورنر سرجون اینڈرسن نے ان کے انتخاب برائے میئر کو منسوخ کردیا۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں آپ دوبارہ کونسلر اور میئر منتخب ہوگئے۔ یہ مدت بھی مختصر رہی اور محض آٹھ ماہ بعد ہی آپ نے مسلمانوں کیلئے ملازمتوں کے حقوق کے مسئلہ پر اس عہدے سے استعفیٰ دیدیا [۵۷]۔ جذباتی

سیاست کا یہ انداز انکی سوچ اور لائحہ عمل پر ہمیشہ حاوی رہا۔

بحیثیت وزیر اعظم بنگال

انڈین ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی انتخابات کے انعقاد کے وقت بنگال میں " یونائیٹڈ مسلم پارٹی " اور " بکھل بانگلا کرشک پراجا سمیتی " دو اہم جماعتیں تھیں۔ اول الذکر کی قیادت نواب حبیب اللہ نواب آف ڈھاکہ اور آخری الذکر کی رہنمائی فضل الحق کے ہاتھوں میں تھی جبکہ صوبائی لیگ وجود تقریباً نہ ہونیکے برابر تھا۔ بے توجہی اور لاپرواہی کی بدولت یہ برسوں پہلے مرچکی تھی۔ نیز کا بنگال کی مذکورہ بالا دونوں جماعتیں اپنے آپ کو کسی ایسی جماعت میں اٹھانا نہیں چاہتی تھیں جسکا دائرہ عمل پورے ہندوستان تک محیط [58] ہو۔ یہ وہی طرز عمل تھا۔ جو کہ پنجاب میں سر فضل حسین (۱۹۳۶ء ۔ ۱۸۷۷ء) نے اپنایا ہوا تھا۔ لیکن فرق صرف یہ تھا کہ پنجاب کی نیشنل یونینسٹ پارٹی (۱۹۲۴ء) اور بنگال کی یونائیٹڈ مسلم پارٹی میں اپنے اپنے صوبے کے بڑے بڑے زمیندار، جاگیردار اور خطاب یافتہ [59] افراد شامل تھے جبکہ فضل الحق کی جماعت میں درمیانی طبقہ ہی قوت محرکہ تھا۔

بنگال میں مسلم قوتوں کا یہ انتشار مسلمانوں کے مفادات کیلئے سب سے بڑا خطرہ تھا چنانچہ اس منتشر لیکن نہایت قابل ذکر قوت کو متحد کرنے کیلئے قائداعظم محمد علی جناح کی سرکردگی میں ۱۸ اگست ۱۹۳۶ء کو ایم ۔ اے ایچ اصفہانی کی رہائش گاہ (۵ ۔ کاماک اسٹریٹ) کلکتہ میں بھرپور کوششوں کا آغاز ہوا۔ کئی روز کی گفتگو کے بعد مذکورہ بالا دونوں جماعتوں نے اپنے آپ کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے لانا منظور کرلیا۔ چنانچہ فضل الحق اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوگیا۔ لیکن منشور پر اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے یہ اتحاد اپنے مطلوبہ نتائج پیدا نہ کرسکا۔ فضل الحق کے مطالبے تھے کہ

۱۔ زمینداری بلا کسی معاوضہ کے ختم کردی جائے۔

۲۔ بغیر کسی اضافی ٹیکس کے مفت ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

اصفہانی نے ان دونوں نکات کو ناقابل عمل بتلایا ہے۔ اور اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

فضل الحق کے یہ دونوں مطالبے صرف ووٹ[۶۰] حاصل کرنے کیلئے تھے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے فضل الحق اپنی سیاسی زندگی کی ابتداء سے ہی انہی خطوط پر کام کر رہے تھے۔ زینداری اور تعلیم دونوں ان کیلئے حساس موضوع تھے۔ ان کی نظر میں بنگالی مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں یہ دونوں عناصر کلیدی اہمیت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بلاشبہ اصولوں کی بنیاد پر اس اتحاد سے علیحدگی اختیار کی۔ انہوں نے دال بھت (بنگالیوں کا عام کھانا) کی ہر شخص کو فراہمی کی ضمانت اور دیگر چودہ وعدوں کے ساتھ اس انتخاب میں حصہ لیا جن میں اہم بلامعاوضہ زمینداری کا خاتمہ، بغیر کسی مزید ٹیکس کے مفت ابتدائی تعلیم اور مکمل صوبائی خودمختاری تھے۔

مندرجہ بالا حالات کی بنا پر فضل الحق نے تنہا انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح بنگال کے ۲۵۰ کے ایوان میں ۱۱۹ مسلم سیٹوں پر براہ راست بنگال صوبائی مسلم لیگ اور کرشک پراجا پارٹی میں مقابلہ ہوا۔ منشور کے علاوہ فضل الحق نے چھوٹے زمینداروں اور علاقائی پیروں و مشائخ کی حمایت بھی حاصل کرلی۔ ان پیروں نے کرشک پراجا کے حق میں فتوے[۶۱] جاری کیے۔ یقیناً اس الیکشن میں پورے ہندوستان میں یہ واحد مثال تھی کہ ان مذہبی رہنماؤں نے بڑے بڑے زمینداروں کے مدمقابل پارٹی کو اپنی قوت واثر رسوخ مہیا کیا جو بلاشبہ فضل الحق کے ماضی کے کارناموں مفلوک الحال مزارعوں کی اخلاص کے ساتھ خدمات اور بنگالی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے کی بنا پر حاصل ہوا۔

فضل الحق نے اپنی سیمابی فطرت کے تحت فیصلہ کیا کہ وہ بنگال مسلم لیگ پارٹی کے صدر خواجہ ناظم الدین (۱۸۹۴ء تا ۱۹۶۴ء) سے ان کے آبائی حلقے پٹوکلی سے مقابلہ کرینگے جہاں پر ان کی وسیع و عریض جاگیر تھے۔ جہاں پر بسنے والے رائے دہندگان ان کی رعیت تھے۔ مزید یہ کہ اس وقت خواجہ صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حکومت وقت کیلئے بھی قابل قبول تھے۔ انہی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فضل الحق نے اپنے بیان میں کہا کہ میں خواجہ ناظم الدین کے خلاف انتخاب نہیں لڑ رہا ہوں۔ میں تو درحقیقت صوبائی گورنر سرجان اینڈرسن کے خلاف میدان عمل میں آیا ہوں۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں اس لئے بھی اس معرکہ

انتخاب میں اترا ہوں کہ بنگال کے آٹھ کروڑ کسان عزت و وقار کے ساتھ کھڑے ہو سکیں اور اپنے حقوق و مراعات کو حاصل کر سکیں ۔ خدا ہمارا حامی و ناصر ہے اور ہماری فتح ناگزیر [۶۲] ہے ۔ فضل الحق کا یہ قدم بنگال کے خطاب یافتہ خاندانوں اور جدی پشتی زمینداروں کیلئے بلاشبہ بڑا چیلنج بھی تھا ۔ انہوں نے فضل الحق کو شکست فاش دینے کیلئے تمام ممکنہ ہتھکنڈے استعمال کیے ۔ خواجہ حبیب اللہ بذات خود خواجہ ناظم الدین کی حمایت کیلئے پٹھوکلی آئے ۔ نواب فیملی کے تمام ذرائع نقل و حمل رائے دہندگان کیلئے وقف کر دیئے گئے ۔ حکومت کی خاموش حمایت بھی خواجہ صاحب کو حاصل تھی بنگال کی سب سے زیادہ بااثر مذہبی شخصیت اعلیٰ حضرت شاہ صوفی مولانا ابو بکر پیر آف فرفورا شریف نے بھی خواجہ صاحب کی حمایت کا اعلان کیا [۶۳] لیکن یہ قدم بھی خواجہ صاحب کو شکست سے نہ بچا سکا اور فضل الحق نے ان کو تقریباً [۶۴] ۷ ہزار ووٹوں سے شکست دی ۔ اس کے علاوہ کرشک پرجا کو کھلنا کے مشرقی اضلاع جیسور ، میمن سنگھ اور فرید پور میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی جبکہ مسلم لیگ کو مغربی بنگال کے حلقہ ہائے مسلم انتخابات ۲۴ پرگنہ اور بنگور کے اضلاع میں فتح [۶۵] حاصل ہوئی ۔

انتخابات کے نتائج کے مطابق کانگریس نے ۶۰ بشمول ۱۷ نشستیں برائے نچلی ذات کے ہندو ، مسلم لیگ ۴۰ اور کرشک سرامک پارٹی [۶۶] ۳۵ کی حقدار ٹھہریں ۔

صوبائی اسمبلی میں حکومت بنانے کا فائق حق کانگریس کو ملا ۔ گورنر نے اسکو حکومت بنانے کی باقاعدہ دعوت دی لیکن وہ اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت نہ کر سکی ۔ دوسری بڑی جماعت مسلم لیگ تھی ، اس نے آزاد اراکین کے ساتھ ساتھ کرشک پرجا کے ہمراہ مخلوط حکومت بنائی جس کے سربراہ فضل الحق بنے ۔ انہوں نے یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو وزارت تشکیل دی اور دس [۶۷] رکنی کابینہ بنائی ۔ اسطرح بہت طویل عرصے بعد مسلمانوں کو دوبارہ اس بنگال میں اقتدار حاصل ہو گیا جس پر کبھی ان کے آباؤاجداد کی حکومت تھی ۔ یہ فضل الحق کی سیاسی زندگی کا عروج تھا ۔ انہوں نے پسماندہ طبقات کیلئے اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کیا ۔ حکومت کے دوران انہوں نے اسمبلی میں مزدوروں کی فلاح کا قانون (Labour Welfare Act) ، زچہ بچہ کے فائدے کا قانون

(Maternity Benefit Act) منظور کرایا۔ لگان داری کے قانون میں ترمیم کا بل (Tenancy Amendment Act) تیار کیا اور ۲۹ مئی ۱۹۳۸ء کو گورنر کو ایک یادداشت بھیجی کہ اسکو بہت جلد قانون کا درجہ دیا جائے۔ قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اول الذکر دونوں قوانین کو بعد میں پورے ہندوستان میں آئین کا[۶۸] درجہ دیا گیا۔ اسی دور میں لگان اراضی کے نظام کے جائزے کیلئے فلڈ کمیشن (Flood Commission) مقرر کیا۔ اسی طرح زمینداری کے خاتمہ کیلئے ایک اور کمیشن بھی تشکیل دیا جس نے اپنی رپورٹ بھی پیش کی اور اسی رپورٹ کی روشنی میں مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں زمینداری کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ فضل الحق کی حکومت نے پسماندہ طبقات کی مدد کرنے میں پورے ہندوستان کی رہنمائی کی۔ اسی دور میں کسانوں کو مہاجنوں کی لوٹ کھسوٹ سے بچانے کیلئے Money Lenders Act اور قرض خواہوں کی دادرسی کیلئے Debt Settlement Boards تشکیل دیئے گئے۔ الغرض اس وزارت نے پسماندہ طبقات جنکی ایک بہت بڑی اکثریت مسلمان تھی، کے مفادات کا کماحقہ تحفظ کیا۔

بنگال کے مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا سب سے بڑا سبب وہاں کی تعلیمی پسماندگی تھی۔ اسی وجہ سے ان پر سرکاری و نجی ملازمتوں کے دروازے بند تھے۔ مزید برآں وہ ناخواندگی کی بناء پر مہاجنوں سے معاملات طے کرتے ہوئے ایسی شرائط پر دستخط کر دیا کرتے تھے جو کہ معاہدے کا حصہ نہیں ہوتی تھیں اور یہ کہ اسی بناء پر وہ قرضے کی ادائیگیاں تین تین اور چار چار بار کرتے[۶۹] تھے۔ ان حالات کے پیش نظر فضل الحق وزارت نے تعلیمی ترقی کیلئے ایک انقلابی پروگرام تشکیل دیا۔ بہت سے نئے تعلیمی ادارے کھولے گئے۔ جن میں ایڈن گرلز کالج ڈھاکہ (Eden Girls College Dacca)، لیڈی باربورن کالج کلکتہ (Lady Barborne College Calcutta) زرعی کالج ڈھاکہ۔ فضل الحق مسلم ہال ڈھاکہ اور فضل الحق کالج باریسال سرفہرست تھے۔

فضل الحق نے تعلیمی ترقی کیلئے سیکنڈری ایجوکیشن بل پیش کیا۔ اس میں ایف۔اے تک امتحانات لینے کا حق کلکتہ یونیورسٹی کی بجائے سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ کو تفویض کرنیکی سفارش کی گئی تھی۔ لیکن اس سے کلکتہ یونیورسٹی کے ہندو ارباب اقتدار کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی اسلئے

فضل الحق کے خلاف زبردست مہم چل پڑی اور بالآخر ان کو یہ سفارش واپس لینا پڑی۔ اگرچہ اس مہم کے نتیجے میں سیکنڈری ایجوکیشن بل واپس لینا پڑا لیکن وہ اور ان کی وزارت مسلمانوں کی ترجمان بنکر ابھری۔ ایک مورخ اس وزارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اسی وزارت کا ثمر تھا کہ بنگال کے مسلمان مایوسی اور ناکامی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر امید، اعتماد اور یقین کی دولت سے مالا مال ہوئے اور وہ ہندوؤں کی ہمسری کرنے لگے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ فضل الحق اور سہروردی کی تقاریر ہندو لیڈروں، کانگریسی رہنماؤں اور مہاسبھائیوں سے ہر لحاظ سے بہتر تھیں۔ انہوں نے اپنی تنظیمی صلاحیتوں، اپنی علمی قابلیتوں، اپنی ذہانت و فطانت اور اپنی تیزی و سرعت کی بنا پر ہندو ممبران اسمبلی اور رہنماؤں پر بالادستی" قائم کر لی تھی۔ اس وزارت کا دورانیہ بقول ایک دوسرے مورخ کے موجودہ متحدہ بنگال کی تاریخ میں پارلیمانی نظام کے تحت سب سے سنہری زمانہ[۱]" تھا۔

اس وزارت کا اہم کارنامہ یہ تھا کہ حکومتی ملازمتوں میں مسلمانوں کیلئے نصف نشستیں مخصوص کر دی گئی تھیں۔ فضل الحق نے باقاعدہ ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ حکومت بنگال یہ حکم جاری کرتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے، حکومتی ملازمتوں میں مسلمانوں کیلئے کل تعداد کا نصف مختص کر دیا جائے۔[۲]"

فضل الحق بحیثیت لیگی رہنما

فضل الحق مخلوط حکومت میں وزیراعظم ہونے کے ساتھ ساتھ صوبائی لیگ کے صدر بھی بنے۔ اس لحاظ سے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ لیگ کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔ اسکی تنظیم و توسیع میں خصوصی دلچسپی لیں۔ یہ فریضہ بھی انہوں نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ انہوں نے بہار و اڑیسہ اور آسام کے دورے کئے۔ عوام و خواص سے رابطے قائم کیئے اور ان صوبوں میں مسلم لیگ کو حقیقی معنوں میں ایک طاقتور[۳]" سیاسی اور عوامی جماعت کے قالب میں ڈھال دیا۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ، ۱۹۳۸ء میں کراچی، ۱۹۳۹ء میں کٹک میں مسلم لیگ کانفرنسوں سے خطاب کیا اور ۱۹۴۰ء میں مدراس پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت[۴]" کی۔

فضل الحق کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے لیگ کے تاریخی سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۲

تا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء لاہور میں علیحدہ وطن کے مطالبہ کی قرارداد بھی پیش کی جسکو بعد میں ہندو پریس نے خود بخود قرارداد پاکستان کا نام دیا۔ حالانکہ تمام کارروائی میں مسلم لیگ کے تمام رہنماؤں کی تقاریر اور لیگی اخبارات کے تمام تبصروں میں لفظ پاکستان استعمال نہیں ہوا تھا۔ یہ کانگریسی اخبارات تھے جنہوں نے اسکو پاکستان [۵] کا نام دیا جو بعد میں حقیقت بنکر سامنے آیا۔

شیاما۔ حق وزارت کا قیام

مسلم لیگ کی یہ وزارت نہایت کامیابی کے ساتھ جاری تھی کہ دوسری جنگ عظیم (۴۵۔ ۱۹۳۹ء) کے دوران ۱۹۴۱ء کے وسط میں اتحادی قوتوں کو خاصی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ جاپان کی بڑھتی ہوئی قوتوں نے برما اور آسام کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ چنانچہ برطانیہ نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں جنگی کونسلیں قائم کرے تاکہ جنگی مساعی میں ہندوستانیوں کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرے۔

۲۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو قائداعظم کو گورنر بمبئی راجر بملے کا ایک خط ملا جس میں اس نے قائداعظم کو مطلع کیا کہ وائسرائے نے عظیم مسلم قوم کے نمائندوں کے طور پر آسام۔ بنگال۔ پنجاب اور سندھ کے وزرائے اعظم کو جنگی کونسل کا ممبر بننے کی دعوت دی ہے [۶]۔ قائداعظم نے اس عمل کو ناپسند کرتے ہوئے واضح الفاظ میں جواب دیا کہ وائسرائے نے لیگ کے صدر اور اسکی مجلس عاملہ سے بالا بالا قدم اٹھا کر زیادتی کا ارتکاب کیا ہے''۔ لیکن اسی دن سرکاری اعلان کے ذریعے ان مذکورہ وزرائے اعظم کی ممبری برائے جنگی کونسل کا اعلان کر دیا۔ اس پر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۲۴ تا ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو بمبئی میں منعقد ہوا۔ کمیٹی نے تمام لیگی وزرائے اعظم اور دیگر لیگی رہنماؤں کو ہدایت کی کہ وہ فوراً مستعفیٰ ہونیکا [۸] اعلان کریں۔ دیگر وزرائے اعظم کی تقلید کرتے ہوئے فضل الحق نے بھی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۱ء کو استعفیٰ دے دیا، لیکن انہوں نے استعفے کے ساتھ ساتھ تمام لیگی عہدوں سے استعفے دے دیا جو کہ ان کے پاس تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لیگ کے سیکرٹری کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے نہایت نامناسب الفاظ میں لیگ کے صدر۔

ممبران ۔ مجلس عاملہ اور کونسل کے خلاف طرح طرح کے الزامات لگائے ۔ جس کے جواب میں ۲۷ نومبر ۱۹۴۱ء کو مجلس عاملہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ دس یوم کے اندر تمام الزامات واپس لے لیں اور اپنے خط کے مندرجات پر اظہار افسوس کریں ۔ فضل الحق نے ۴ نومبر ۱۹۴۱ء کو خط لکھکر اس حکم کی تعمیل کی ۔ یہی غیر متوازن انداز سیاست انکی سب سے بڑی کمزوری تھی جو انکے لئے ہمیشہ مسائل کا سبب بنی رہی ۔

اسی ماہ میں جب صوبائی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو فضل الحق نے لیگ کے اثر و رسوخ سے آزاد ہونے کیلئے فارورڈ بلاک تشکیل دینا شروع کیا ۔ جس پر لیگ کے دونوں وزراء سہروردی اور ناظم الدین ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو مستعفی ہوگئے ۔ ان حالات میں فضل الحق نے ہندو مہاسبھا اور فارورڈ بلاک کے ساتھ ملکر مخلوط حکومت ۱۶ دسمبر ۱۹۴۱ء کو تشکیل دی اور شیاما پرشاد مکرجی کو اپنا نائب بنایا ۔ اگرچہ یہ حکومت ہندوؤں اور مہاسبھائی قوتوں کے ساتھ مل کر بنائی گئی تھی لیکن انہوں نے مکرجی کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق کا اسطرح تحفظ کیا تھا کہ ان سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کلکتہ کی یونیورسٹی میں بھرتی کروائی جو کہ محض ہندوؤں کیلئے مخصوص ہوگئی تھی ۔ مسلم لیگ کی مخالفت کے باوجود صوبے کے انتظام وانصرام پر مسلمانوں کو یہی بالادستی حاصل رہی کیونکہ ۹ میں سے ۵ وزیر[۸۱] مسلمان تھے ۔

فضل الحق کی مشکلات اور استعفیٰ

فضل الحق نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر مسلم لیگ کی قیادت پر الزامات لگائے اور بعد میں ان کی ہدایت کے مطابق اسپر اظہار معذرت بھی کیا اور لیگ نے ان کی معذرت کو قبول کرتے ہوئے ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا ۔ ان حالات میں سہروردی اور خواجہ ناظم الدین کو ان کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں تھے ۔ یہ ان دونوں کی جماعتی نظم کے حوالے سے ذمہ داری بھی بنتی تھی ۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا ۔ سہروردی اور خواجہ ناظم الدین نے پورے بنگال کے طوفانی دورے کر کے فضل الحق پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال میں ہر جگہ انکا استقبال کالی جھنڈیوں سے کیا گیا ۔ جلسہ عام تو کجا، انکا آزادانہ سفر کرنا محال[۸۲] ہوگیا ۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۱ء کو فضل الحق کو لیگ

کے تمام عہدوں سے برطرف کر دیا گیا۔ ورکنگ کمیٹی کی ممبر شپ اور کونسل آف دی لیگ کی رکنیت ختم کر دی گئی نیز صوبائی، ضلعی اور پرائمری لیگ کی رکنیت بھی منسوخ کر دی گئی۔ مسٹر جناح نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ وہ اب لیگ کے ممبر بھی نہ بن سکینگے [۸۳]۔

دوسری جانب فضل الحق اور ان کے نئے رفقاء میں بھی اشتراک عمل برقرار نہ رہ سکا اور اس وزارت کے اہم فرد مکرجی نے گورنر کے غیر آئینی و قانونی رویئے پر نومبر ۱۹۴۲ء میں احتجاجاً استعفیٰ [۸۴] دے دیا اسی اثناء میں فضل الحق اور بنگال کے چیف جسٹس سر ہیرالڈ ڈیو شیئر میں پولارڈ کیس [۸۵] پر غلط فہمی پیدا ہو گئی جس نے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا اور یہ مشکلات اس وقت نہایت سنگین ہو گئیں جب فضل الحق اور گورنر بنگال سر جان ہربرٹ میں بھی غلط فہمیوں کا آغاز ہوا جس کی کئی وجوہات تھیں۔ اول یہ کہ جاپانی افواج اس حد تک آگے بڑھ آئی تھیں کہ وہ بنگال پر دستک دے رہی تھیں۔ دوسری وجہ بنگال کی بگڑتی ہوئی غذائی صورتحال تھی۔ اشیائے ضرورت کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں جس نے عام افراد کی زندگی کو نہایت مشکل بنا دیا تھا۔ تیسری وجہ کانگریس کی ہندوستان چھوڑ دو (۱۹۴۲ء) تحریک تھی جسکی وجہ سے انگریز افسران عدم تحفظ کا شکار تھے۔ چنانچہ صوبے کی معاشرتی زندگی بہت زیادہ متاثر ہو رہی تھی۔ ان حالات میں گورنر نے انتظامی معاملات پر ذاتی گرفت کرنا چاہی اور پرانے سول سرونٹ کے ساتھ براہ راست رابطوں کا آغاز کیا۔ اس بات کو فضل الحق جیسی دبنگ، قانون شناس اور پارلیمانی روایات کو سمجھنے والی شخصیت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ فضل الحق اور گورنر میں کشمکش اور کھنچاؤ کا آغاز ہوا پہلا واضح اختلاف مسٹر میکلینس کی تقرری [۸۶] پر ہوا۔ اس کے بعد ۲ جنوری ۱۹۴۳ء کو فضل الحق اور گورنر کی ملاقات ہوئی جس میں گورنر نے تمام پارلیمانی روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہایت درشتی سے وزیر اعظم سے وضاحت طلب کی کہ وہ ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۴۲ء کو کلکتہ سے غیر حاضر کیوں [۸۷] تھے۔ فضل الحق نے گورنر کے دباؤ میں آنے کی بجائے اسکو واضح طور پر لکھا کہ بحیثیت وزیر اعظم میری ذمہ داری ہے کہ انتظامی معاملات درست کروں۔ آپ اسمیں مداخلت نہ کریں کیونکہ یہ مداخلت وزراء کے اختیارات میں مداخلت بے جا ہے۔ نیز انہوں نے گورنر کی توجہ اس غیر معیاری زبان کی طرف

بھی دلائی جو کہ گورنر کی طرف سے لکھے گئے خطوط میں اختیار کی گئی تھی [۸۸]۔

انتظامی معاملات کے علاوہ گورنر سے فضل الحق کے اختلافات جنگی مساعی کے ضمن میں تھے کیونکہ مسلمانان بنگالہ کی بہت بڑی اکثریت فضل الحق کے خلاف تھی ۔ وہ اور انکے وزراء مسلمانوں کے درمیان کوئی مقام نہیں رکھتے تھے ۔ جسکا نتیجہ یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کو جنگی مساعی میں حصہ دار نہیں [۸۹] بنا سکتے تھے ۔ اسطرح مسلمانوں کا باہمی اختلاف جنگی مساعی میں مسلمانوں کی بھرپور شرکت میں مانع تھا۔

ان حالات میں فضل الحق کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ وزارت عظمیٰ سے مستعفیٰ ہوجائیں ۔ چنانچہ انہوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو وزارت عظمیٰ [۹۰] سے استعفیٰ دے دیا ۔ گورنر نے استعفیٰ منظور کرلیا اور وائسرائے کو خط لکھا کہ فضل کی حکومت ایک اچھی حکومت اور تحفظ کیلئے ایک [۹۱] خطرہ تھی ۔

فضل الحق کے خلاف مہم چلانے کا نتیجہ صرف یہی نہیں نکلا کہ فضل ۔ شیاما وزارت مستعفیٰ ہو گئی بلکہ ایک نہایت اہم نتیجہ یہ نکلا کہ پورے صوبے میں مسلم لیگ ایک نہایت طاقتور عوامی جماعت بنکر ابھری ۔ مسلم لیگ کے جلسے مرشد آباد، اورنگ زیب ، رنگ پور، نواکھلی اور راجشاہی میں بڑی کامیابی سے ہوئے ۔ ضلع بردوان اور ضلع کلکتہ میں کامیاب کانفرنسیں منعقد ہوئیں ۔ غالباً مسلم لیگ کی اسی ابھرتی ہوئی صلاحیت کی بناء پر گورنر نے اسکو حکومت بنانے کی دعوت دی اور خواجہ ناظم الدین نے ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو نئی لیگی وزارت تشکیل دی ۔ لیکن خواجہ ناظم الدین وزارت مستحکم وزارت نہیں تھی ۔ حالانکہ اسکو استحکام بخشنے کیلئے ۶ وزراء ہندوؤں میں سے لئے گئے تھے لیکن ان تمام پیش بندیوں کے باوجود لیگی حکومت اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکی ۔

۲۸ مارچ ۱۹۴۵ء کو بجٹ سیشن کے موقعہ پر حکومتی جماعت کے ۲۱ ممبران نے اپنے پیش کردہ بجٹ کے خلاف ہی ووٹ دیا ۔ اسطرح بجٹ تجاویز ۹۷ ووٹوں کے مقابلے میں ۱۰۶ ووٹوں سے مسترد ہو گئیں اور یوں بنگال میں گورنر راج [۹۲] قائم ہو گیا۔

۱۹۴۶ء کا انتخاب

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے وقت فضل الحق کیلئے حالات نہایت حوصلہ شکن تھے ۔ ان کی مخالف جماعت نہ ہی صرف ان کے حلقے ہائے انتخابات میں سب سے موثر طاقت بنکر ابھری تھی بلکہ ان کے دیرینہ سیاسی رفیق مقصود علی خان ممبر ایگزیکٹو کمیٹی اور نور الاسلام سابق سیکریٹری بکھل بانگلا کرشک پراجا پارٹی بھی ان سے [۹۳] علیحدہ ہوگئے ۔ اسی طرح ان کی پارٹی کے ٹکٹ پر گذشتہ انتخابات میں منتخب ہونیوالے ممبران اسمبلی و جماعتی عہدیداران مثلاً غیاث الدین احمد ، نوابزادہ سید حسن علی ، مولوی مرزا عبدالحافظ ، خاں بہادر محمد علی خاں ، چودھری ظہور احمد اور شمس الدین احمد و دیگر افراد مسلم لیگ میں شامل ہوگئے ۔

اسی زمانے میں شملہ کانفرنس [۹۴] (۱۹۴۵ء) میں قائداعظم کے اختیار کردہ موقف اور اس پر ان کی کامیابی نے مسلم لیگ کو ناقابل تسخیر بنادیا ۔ وہ تمام علاقائی جماعتیں جو ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی تھیں ۔ اب مسلم لیگ کے سامنے بالکل بے اثر ہوگئیں اور ان کی کامیابی کے امکانات معدوم ہوتے چلے گئے ۔ ہند کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونیکی دعویدار بنکر ابھری ۔ ۴۶-۱۹۴۵ء کے الیکشن میں لیگ کا یہ دعویٰ حقیقت بنکر سامنے [۹۵] آگیا ۔ صوبے کی ۱۱۹ مسلم نشستوں میں سے مسلم لیگ نے ۱۱۳ حاصل کرلیں اس الیکشن میں سہروردی نے فضل الحق کو ہرانے کیلئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور تقریباً ۳۵۰ طلباء کو فضل الحق اور نوشیر علی کے حلقہ ہائے انتخابات کیلئے وقف کردیا تھا ۔ لیکن فضل الحق دونوں حلقوں سے کامیاب ہوگئے ۔

فضل الحق تو کامیاب ہوگئے لیکن ان کی جماعت کے تقریباً تمام امیدوار ناکام ہوگئے ۔ اس الیکشن میں مسلم لیگ سب سے بڑی جماعت بنکر مسند اقتدار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ۔ لیکن فضل الحق کی اہمیت بدستور موجود رہی ۔ کابینہ مشن (۱۹۴۶ء) کی تجاویز پر عملدرآمد کیلئے قانون ساز اسمبلی میں بنگال سے وہ واحد رہنما تھے جو لیگی تھے نہ کانگریسی ۔ ان کی یہی بلند حیثیت دیکھتے ہوئے

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۹۵۸ء ۔ ۱۸۸۷ء) نے ان کو دعوت دی کہ وہ کانگریس کی طرف سے عبوری حکومت میں شامل [۹۷] ہوں ۔ لیکن فضل الحق نے اسکی بجائے ایک عام فرد کی حیثیت سے ستمبر ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتے میں مسلم لیگ میں شرکت کی دعوت کو قبول کر لیا ۔ یہ دعوت کلکتہ میں بمبئی اور گجراتی رہائش پذیر مسلمانوں نے ان کو دی تھی ۔ واضح رہے کہ اسی دوران لیگ نے ان کی رکنیت پر جو پابندی عائد کی تھی، وہ واپس لے لی گئی تھی ۔

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ کے فسادات کے دوران جس جرات و بے باکی سے مسلمانوں کی دامے ۔ درمے ۔ قدمے اور سخنے مدد کی اور جس محنت و عرق ریزی سے ایک وکیل کی حیثیت سے عدالتوں میں ان کے حقوق کی جنگ لڑی، وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے ۔ اسی طرح بہار کے مسلم کش فسادات کے موقع پر بھی فضل الحق مسلمانوں کی حفاظت کیلئے سرگرم عمل رہے ۔ مولانا راغب احسن نے کلکتہ سے بہار کے مسلمانوں کیلئے نیشنل گارڈ کی جو ٹیم روانہ کی تھی اسکی قیادت فضل الحق کے پاس تھی ۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان تشریف لائے ۔ اور اپنی صلاحیتیں اس نوزائیدہ مملکت کی تعمیر و ترقی کیلئے وقف کر دیں ۔

متحدہ بنگال کی سیاسی تاریخ کا تجزیہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ فضل الحق نے اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے لیکر قیام پاکستان تک ہر دور میں ایک منفرد کردار ادا کیا ۔ وہ ہر دور میں نہایت ارفع و ممتاز مقام پر فائز رہے ۔ ان کی سیاسی زندگی کے آغاز میں ہی کلکتہ کی مسلم خلاق اقلیت نے ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کیے ۔

سیاسی زندگی کے آغاز میں ہی انہوں نے بنگال مسلم لیگ کی صدارت کی ۔ وہ اپنے وقت کی سب سے بڑی تنظیموں انڈین نیشنل کانگریس، آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا خلافت کمیٹی میں نہایت بلند مقام کے حامل رہے ۔ جب وزیر بنے تو ان کی پالیسیاں مسلمانوں کے مفادات کی امین ٹھہریں ۔ غالباً وہ متحدہ بنگال کے مسلم رہنماؤں میں واحد شخصیت تھے جنہوں نے صوبائی اسمبلی میں ۴۱ سال تک مسلمانوں کی بھرپور نمائندگی کی اور ایک فعال کردار ادا کیا ۔

۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۱ء تک ان کی وزارت عظمیٰ کا پہلا دور بنگال کی موجودہ پارلیمانی تاریخ کا وہ عظیم

دور ہے جسکو انکے بڑے سے بڑے نقاد بھی سراہنے پر مجبور ہیں ۔ نامساعد حالات کے باوجود بھی انہوں نے شیاما۔حق وزارت میں جس حسن و خوبی سے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کیا، وہ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا مظہر ہے ۔ کلکتہ اور بہار کے ہندو۔ مسلم فسادات میں انکا کردار ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھے گا۔

حوالہ جات

۱۔ رئیسی بیگم "میرے ابا حضور" روزنامہ نوائے وقت ،لاہور، ۳۰ اپریل ۱۹۶۲ء۔

۲ ۔ اے ۔ ایس ۔ ایم ۔ عبدالرب ۔ A.K. Fazalul Haq : Life and achievements لاہور ۔ سن ۱۹۶۶ء ۔ ص ۲

۳ ۔ فضل الحق کے خاندانی حالات کی تفصیل سب سے زیادہ مذکورہ بالا کتاب ہی میں ملتی ہے ۔ لیکن مصنف (عبدالرب) نے بھی اسکا نام نہیں لکھا، دیکھیے ص ۱، کتاب مذکورہ

۴ ۔ عبدالرب، ایضاً، ص ۱

۵ ۔ ایضاً

۶ ۔ ایضاً، ص ۲

۷ ۔ اکثر مورخین نے انکو محمد وازد (Mohammad Wazed) لکھا ۔ دیکھیے ۔ جی ۔ الانہ، Our Freedom Fighters (1567 - 1947) ، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۰

نریش کمار جین Muslims in India : A Biographical Dictionary ۔ نئی دہلی ۱۹۷۹ء ص ۱۶۲

محمد علی چراغ، اکابرین تحریک پاکستان، لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۴۲۴ اور عبدالرب ص ۲۰

لیکن بنگالی زبان میں "ج" کا تلفظ "ز" کی آواز دیتا ہے ۔ اسلئے درحقیقت یہ نام محمد واجد ہے ۔ دیکھئیے

جمیل احمد: "مولوی ابوالقاسم فضل الحق" سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، ۱۹۷۰ء، ص ۶۳۸،

فضل الحق کی صاحبزادی نے بھی محمد واجد لکھا ہے ۔ دیکھیئے ۔ رئیسی بیگم، بحوالہ سابقہ

۸ ۔ متحدہ بنگال کے پہلے مسلم بنگالی گریجویٹ ہگلی کے احمد میاں تھے ۔ جنہوں نے یہ اعزاز ۱۸۶۴ء میں حاصل کیا۔

دوسرا نمبر کومیلا کے سراج الاسلام کا تھا جو بعد میں نواب سراج الاسلام کہلائے ۔ انہوں نے ۱۸۶۷ء میں بی ۔ اے کیا جبکہ محمد واجد نے ۱۸۶۹ء میں یہ اعزاز حاصل کیا ۔ عبد الرب ، بحوالہ سابقہ ، ص ۳

۹ ۔ متحدہ بنگال کے پہلے لا گریجویٹ سید امیر علی تھے جبکہ دوسرے لا گریجویٹ محمد واجد تھے ۔ دیکھئے نریش کمار ، بحوالہ سابقہ ، ص ۸۵ عبد الرب ، بحوالہ سابقہ ۔ ص ۳

۱۰ ۔ مختلف مورخین نے مختلف تاریخیں لکھی ہیں ۔

نریش کمار نے یہ تاریخ ۲۷ اکتوبر لکھی ہے ، دیکھئے نریش کمار ، بحوالہ سابقہ ص ۱۶۲ ، نوائے وقت نے یہ تاریخ ۲۹ اکتوبر درج کی ہے ۔ دیکھئے نوائے وقت ، بحوالہ سابقہ ، ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء ۔ اصل تاریخ ۲۶ اکتوبر ہے ۔ جسکی توثیق مشہور مورخ جی ۔ الانہ نے کی ہے ۔ دیکھئے ۔ بحوالہ سابقہ ، ص ۲۰۰

ولی مظہر نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے ۔ دیکھئے عظمتوں کے چراغ ، جلد دوئم ، لاہور ۔ ۱۹۸۸ء ص ۶۴۱ ۔ عبد الرب نے بھی یہی تاریخ درج کی ہے دیکھئے بحوالہ سابقہ ص ۲ ۔ واضح رہے کہ عبد الرب کی کتاب کا مسودہ خود فضل الحق نے دیکھا تھا اور انہوں نے اسکا دیباچہ بھی لکھا ہے ۔

۱۱ ۔ عبد الرب ، بحوالہ سابقہ ، ص ۶

۱۲ ۔ نریش کمار ، بحوالہ سابقہ ، ۱۶۲

۱۳ ۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں ایران سے ایک معزز خاندان کے تعلیم یافتہ شخص میر مولوی سید اشرف علی خاں نے ہجرت کی اور مشرقی بنگال میں رہائش پذیر ہوئے ۔ انکی ذاتی قابلیت دیکھتے ہوئے نواب عبد اللطیف (۱۸۲۸ء تا ۱۸۹۳ء) نے اسکو شرف دامادی بخشا ۔ ان کے پڑپوتے نواب سید محمد آزاد خاں تھے ۔ جنکی بڑی صاحبزادی کی شادی مولوی فضل الحق سے ہوئی تھی ۔ نواب موصوف کی دوسری صاحبزادی کی شادی لیفٹیننٹ کرنل سید سر حسین سہروردی سے ہوئی جو کلکتہ یونیورسٹی کے پہلے مسلمان وائس چانسلر بنے ۔ نواب صاحب کے ایک صاحبزادے سید حسین مشہور زمانہ صحافی تھے جو بمبئی کرانیکل کے چیف ایڈیٹر بنے ۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہے اور موتی لال نہرو کے سیکرٹری بھی رہے ۔ آزادی کے بعد وہ مصر میں ہندوستان کے سفیر بھی بنے ۔ نواب صاحب کے ایک اور صاحبزادے سید علی احمد حکومت بنگال میں رجسٹریشن کے انسپکٹر جنرل تھے ۔ بقیہ تین صاحبزادے سید علی اشرف ۔ سید علی حسن اور سید علی مہدی نے بھی حکومت بنگال میں اہم خدمات انجام دیں ۔ غرضیکہ یہ بنگال کا ایک نہایت معزز خاندان تھا جسکو نہایت معزز داماد ملا ۔ عبد الرب ، بحوالہ سابقہ ، ص ۸ تا ۹

۱۴ ۔ یہ شادی ابتداہی سے خوشگوار نہیں تھی ۔ فضل الحق کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ بندھن کامیاب نہ

ہو سکا، بلکہ ان کی آخری عمر میں خورشید بیگم نے انکے خلاف گزارہ الاؤنس اور علیحدہ رہائش کیلئے ایک رٹ بھی داخل کردی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئیں۔ انہیں نہ صرف ۵۰۰ روپے ماہوار گزارہ الاؤنس ملا بلکہ فضل الحق کی ذاتی رہائش گاہ ۲ / ۸۸ جھاؤتلہ روڈ پر بھی انکو مالکانہ حقوق دیئے گئے عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۹

۱۵۔ ۱۹۱۱ء میں کوآپریٹوز کے عہدہ رجسٹرار پر متمکن مسٹر کے سی ڈے (آئی۔ سی۔ ایس) کا ٹرانسفر ہو گیا اور جگہ خالی ہو گئی۔ فضل الحق ہر لحاظ سے اس عہدے کے تمام امیدواروں میں سب سے بہتر تھے اور تمام متعلقہ قانونی و دفتری شرائط پر بھی پورے اترتے تھے۔ لیکن ہندوؤں نے اثر و رسوخ سے ان کی بجائے رائے بہادر جیمنی کانتا مترا کا تقرر کروالیا۔ عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۲

۱۶۔ جن ساتھیوں سے فضل الحق نے مشورہ کیا ان کے نام درج ذیل ہیں

سر آشوتش مکرجی، سر پی سی رائے، آسوینی کمار دت، سر سریندر ا ناتھ بینرجی، بپن چندرا پال، سی۔ آر۔ داس، سر عبدالرحیم، مولانا اکرم خاں، ابوالقاسم، نواب علی چودھری وغیرہ وغیرہ، عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۲، ۱۳

۱۷۔ تنسیخ تقسیم بنگال پر تبصرہ کرتے ہوئے نواب سلیم اللہ خاں نے کہا۔

تنسیخ تقسیم بنگال کے منصوبے پر مسلمانوں کو باخبر کیے بغیر اور انہیں اعتماد میں لئے بغیر عمل کیا گیا ہے اور حکومت نے یہ کام شاید مسلمانوں کی حکومت سے وفاداری اور پرامن روش کی بنا پر کیا ہے۔ خطاب نواب سلیم اللہ خان بہ اجلاس مسلم لیگ مورخہ ۳، ۴ مارچ ۱۹۱۲ء بمقام کلکتہ بحوالہ محمد علی۔ ایضاً ص۔ ۵۶۹ مزید دیکھئے ایس۔ ایم۔ اکرام

Modern Muslim India and the Birth of Pakistan ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۹۹۔ نواب وقار الملک (۱۹۱۷ - ۱۸۴۱ء) نے کہا گورنمنٹ کی یہ پالیسی بمنزلہ ایک توپ خانے کے تھی جو مسلمانوں کی مردہ لاشوں پر سے گزر گیا۔ بدوں اس احساس کے کہ ان غریبوں میں سے کسی میں کچھ جان بھی ہے اور ان کو اس سے کوئی تکلیف بھی ہوگی۔ طفیل احمد 'مسلمانوں کا روشن مستقبل، لاہور۔ ۱۹۴۵ء، ص ۳۸۳

۱۸۔ نریش کمار، ایضاً، ص، ۱۶۲

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ۱۹۱۳ء کی ممبری ۱۹۲۰ء تک رہی۔ ۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۵ء ڈھاکہ (مغربی حصہ) مسلم دیہاتی حلقے سے اسمبلی میں مصروف رہے۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے باقرگنج۔ فرید پور کے مسلم دیہاتی حلقے سے انڈین لیجسلیٹو اسمبلی میں بنگال کی نمائندگی کی۔ ۱۹۳۷ء میں انہوں نے شمالی پٹوکھلی کے مسلم دیہاتی حلقے سے انتخاب لڑا اور ۹ سال تک مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے جنوبی باقرگنج کے مسلم دیہاتی حلقے کو اپنے لئے منتخب کیا اور وہاں

سے کامیاب ہوئے۔ نریش کمار، ایضاً، ص، ۱۶۲

۲۱۔ ولی مظہر، بحوالہ سابقہ، ص ۶۵ مزید دیکھئے جی الانہ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۰۲

بعض مصنفین نے تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ ۱۹۰۷ء میں لیگ کے آئین اور قواعد وضوابط بنانے کیلئے جو چار رکنی کمیٹی بنائی گئی تھی اسمیں فضل الحق کو بطور جوائنٹ سیکریٹری شامل کیا گیا تھا۔ دیکھئے

ا۔ جی الانہ بحوالہ سابقہ ص، ۲۰۲، ب۔ محمد علی چراغ، بحوالہ سابقہ، ص، ۳۲۶۔ ج۔ عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص، ۱۸۱ لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں لگتی کیونکہ دیگر مورخین اس ضمن میں خاموش ہیں۔ دیکھئے، ا نریش کمار، ص ۱۶۲ تا ۱۶۳۔ ب۔ ایس۔ ایم۔ اکرام، ایضاً، ص، ۲۹۸ تا ۳۰۵۔ ج۔ لال بہادر

All India Muslim League - لاہور ۱۹۷۹ء ص۔ ۴۲ تا ۴۵ د مطیع الرحمان

From Confrontration to Consultation n d , n .p

جی الانہ Pakistan Movement - Historic Documents

لاہور، ۱۹۷۷ء، ص، ۲۳۱

جمیل الدین احمد: Historic Documents on the Muslims ،

Freedom Movement ، لاہور، ۱۹۷۰ء ص، ۲۸۔ جن مورخین نے یہ بات لکھی ہے ان میں محمد علی چراغ نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ جی الانہ نے اپنی جس کتاب میں یہ بات تحریر کی ہے اسمیں عبدالرب کا حوالہ دیا ہے، جبکہ عبدالرب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس کے برعکس ایم سلیم احمد نے اپنی کتاب All India Muslim League (بہاولپور، ۱۹۸۸ء) میں ۲۰۷ اور ۲۰۸ صفحات میں مسلم لیگ کے ۱۹۰۷ء کے آئین کی ترتیب و تدوین پر بحث کی ہے اور آئین سازی کے تمام مراحل کا جائزہ لیا ہے۔ پھر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس امر کو تسلیم کرنیکا کوئی امکان نہیں کہ فضل الحق نے مسلم لیگ کا آئین مرتب کرنے میں کوئی کردار ادا کیا ہو (ص، ۲۲۳)

۲۲۔ جب مولوی فضل الحق نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دیا تو اس وقت ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا تھا۔ جس میں نواب سراج الاسلام آف ڈھاکہ، مولانا محمد اکرم خاں (۱۹۶۸ء۔ ۱۸۶۹ء) ابوالقاسم اور نواب علی چودھری (۱۹۲۹ء۔ ۱۸۶۳ء) وغیرہ نے دامے، درمے، قدمے اور سخنے مدد کی تھی جبکہ نواب سلیم اللہ خاں نے اس استقبالیہ کی صدارت کی تھی، عبدالرب، ایضاً، ص، ۱۱۶ اسی طرح جب نواب سلیم اللہ خاں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو منظم کرنے کیلئے پورے ہندوستان کا دورہ کیا تو فضل الحق ان کے ہمراہ تھے، نریش کمار، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۲

۲۳۔ رضی واسطی Biographical Dictionary of South Asia ، لاہور ۱۹۷۰ء، ص ۱۷۱

۲۴۔ شریف الدین پیرزادہ

(Foundations of Pakistan = All India Muslim Leauge ، Documents (1906 - 1924 حصہ اول، کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۵۴ - ۳۵۳

۲۵۔ لکھنؤ پیکٹ سے آگہی کیلئے دیکھئیے

حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا، کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۷۰ تا ۷۳

۲۶۔ رضی واسطی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۲ مزید دیکھئے، عبدالرب، بحوالہ سابقہ، xi

۲۷۔ تارا چند History of the Freedom Movement in India ، جلد سوئم، لاہور، ۱۹۷۲ء۔ ص ۴۱۶

اصل میں تو نواب محمد اسحاق (۱۹۱۸ء - ۱۸۶۰ء) نے اس اجلاس کی صدارت کرنا تھی، لیکن اسی روز انکا انتقال ہو گیا چنانچہ مسلم لیگ کونسل نے فضل الحق کو دعوت دی۔ محمد سلیم احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۲۶۴

۲۸۔ خالد بن سعید Pakistan : the Formative Phase ، ۱۹۶۰ء ، ص ۴۶ مزید دیکھئے۔ نوائے وقت، بحوالہ سابقہ

۲۹۔ رضی واسطی، ایضاً، ص۔ ۱۷۲ مزید دیکھئے نریش کمار، ایضاً، ص ۱۶۲

۳۰۔ ۱۹۱۸ء۔ ۱۹۱۴ء کے دوران آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت محمد علی محمد خاں راجہ آف محمود آباد (۱۹۳۱ - ۱۸۷۷) کے پاس تھی۔ ۱۹۱۹۔ ۱۹۱۹ میں قرعہ فال فضل الحق کے نام نکلا۔ ۳۰ - ۱۹۲۰ء کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح (۱۹۴۸ء۔ ۱۸۷۶ء) مسلم لیگ کے صدر تھے۔ محمد سلیم احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۲۶۱

غالباً یہ ٹائپ کی غلطی ہے کیونکہ فضل الحق ۱۹ - ۱۹۱۸ء کے دوران صدر تھے۔ اسی مصنف نے اپنی اسی کتاب کے ص ۲۶۵ میں مسلم لیگ کا اجلاس بمقام دہلی فضل الحق کی صدارت کا سن ۱۹۱۸ء لکھا ہے۔

۳۱۔ نریش کمار، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۲

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ان شخصیات میں اہم نام مولانا محمد اکرم خاں، سید بدر الرجیٰ، خاں بہادر عبدالمومن، ڈاکٹر نریش چندرا، سین گپتا، جے ایل بینرجی، ہمایوں کبیر، شمس الدین احمد، اور نوشیر علی تھے، عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۲۸ - ۲۹

مزید دیکھئے ایم، اے، ایچ، اصفہانیQaid - I - Azam As I Knew Him ، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص، ۱۵

۳۴۔رفیق افضلPolitical Parties in Pakistan ، جلد اول، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ۱۱۳ص

۳۵۔ محمد علی چراغ، ص ۴۲۸

۳۶۔ تفصیل کیلئے دیکھئے۔ اشتیاق حسین قریشیThe Struggle for Pakistan ، کراچی ۱۹۶۵ء، ص، ۳۷ تا ۴۲

۳۷۔ حسن ریاض، بحوالہ سابقہ، ص ۸۶

۳۸۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ، روزنامہ (انگریزی)، لاہور، مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۱۹

۳۹۔ معاہدے کی شرائط کیلئے دیکھئے، حسن ریاض، بحوالہ سابقہ، ص ۸۴ اور ۹۳

اس معاہدے کی سخت شرائط سے واضح ہو گیا تھا کہ فاتح اتحادی، سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ ترکوں کے وطن کو ہی تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ در حقیقت یہ معاہدہ مغربی مسیحیت کیطرف سے اسلام کی سیاسی قوت کو، جسکا مظہر خلافت عثمانیہ تھی، کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے کی سوچی سمجھی سازش تھی۔ چودھری محمد علیEmergence of Pakistan ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۶

۴۰۔ اصلاحات کیلئے دیکھئے۔ اشتیاق حسین قریشی، بحوالہ سابقہ، ص۔ ۵۰ تا 52

مزید دیکھئے آر۔ او۔ مجمدار۔ History of the Freedom Movement in India - جلد دوئم، لاہور، ص ۵۰۹

۴۱۔ سٹینلے والپرٹ،Jinnah of Pakistan ، نیویارک، ۱۹۸۴ء، ص ۱۷

۴۲۔ فضل الحق کا خط چندر ابوس کے نام، عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص، ۵۶ تا ۵۸

۴۳۔ اصفہانی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۴

۴۴۔ اس وزارت کی مدت اسلئے مختصر ہو گئی کہ سوراج پارٹی کے قائد سی، آر، داس نے خلافت کانفرنس کے ممبران سے مل کر فضل الحق کی حکومت ختم کر دی تھی، ایس، ایم اکرام، بحوالہ سابقہ، ص۔ ۳۰۳

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ نوائے وقت، بحوالہ سابقہ۔ مزید دیکھئے۔ جمیل الدین احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۶۴۷

۴۷۔ جی الانہ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۰۷

۴۸۔ عبدالرب۔ بحوالہ سابقہ۔ ص ۴۷

۴۹۔ رام گوپال

Indian Muslims : A Political History 1858 - 1947 ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص

۷۴ امزید دیکھئے۔ ایس، ایم، اکرام، ایضاً، ص۔ ۳۰۴

۵۰۔ رام گوپال، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۷ امزید دیکھئے۔ ایس، ایم، اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۰۴

۵۱۔ طفیل احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۴۲۷

۵۲۔ نہرو رپورٹ کی تفصیل کیلئے دیکھئے

وائی۔ بی۔ میتھر Growth of Muslim Politics in India ، لاہو ، ۱۹۸۰ء، ص، ۱۶۸ تا ۱۶۹

۵۳۔ کمیٹی کے بقیہ ممبران کے نام درج ذیل تھے۔(i) - سرابوالکرم غزنوی(ii)۔کے۔جی۔ ایم۔ فاروقی (iii) - مولوی ابوالقاسم

۵۴۔ گول میز کانفرنسوں کی تفصیل کیلئے دیکھئے۔ تاراچند

History of the Freedom Movement in India ، جلد چہارم، لاہور، ۱۹۷۲ء ص۔ ۱۳۹ تا ۱۶۸

۵۵۔ سوچ کی اس تبدیلی کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب اس پیکٹ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مقتدر رہنماؤں نے رضامندی دی تھی، اسوقت مسلم دنیا عموماً اور برصغیر کی ملت اسلامیہ خصوصاً ایک ہیجان کا شکار تھی اور برطانوی حکومت نے برصغیر کے ہندو مسلم رہنماؤں پر واضح کر دیا تھا کہ برصغیر کو صرف اسی صورت میں سیاسی مراعات اور آئینی اصلاحات دی جاسکتی ہیں جبکہ وہ کسی ایک فارمولے پر متفق ہوجائے۔ عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۸۳

۵۶۔ ایس، ایم، اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۰۶

۵۷۔ نوائے وقت، بحوالہ سابقہ

۵۸۔ اصفہانی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۵

۵۹۔ ایس، ایم، اکرام، بحوالہ سابقہ، ص، ۳۱۲

۶۰۔ اصفہانی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۸

۶۱۔ این ٹالبٹ Provincial Politics and the Pakistan Movement ، آکسفورڈ، ۱۹۸۸ء، ص، ۶۳

۶۲۔ عبد الرب، بحوالہ سابقہ، ۸۸

۶۳۔ ٹالبٹ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۳

۶۴۔ ایس، ایم، اکرام، بحوالہ سابقہ، ص، ۳۱۲

۶۵۔ ٹالبٹ۔ بحوالہ سابقہ۔ ۶۳

۶۶۔ ایس، ایم، اکرام، ص ۳۱۳۔ جبکہ شائستہ نے کرشک کی نشستوں کی تعداد ۳۸ بتلائی ہے۔ دیکھئے بیگم شائستہ اکرام سہروردی

Huseyn Shaheed Suhrawardy : A Biography. ، آکسفورڈ، ۱۹۹۱، ص ۳۸

یک اور مورخ نے یہ تعداد ۳۶ بتلائی ہے۔ دیکھئے محمد۔ ایچ۔ آر۔ تلکدار۔

Memoirs of Huseyn Shaheed Suhrawardy ، ڈھاکہ، ۱۹۸۷ء۔ ص۔ ۱۶

(اصفہانی کے مطابق مسلم لیگ نے ۴۰ نشستیں حاصل کیں جبکہ کرشک نے ۳۸)، ص ۲۹

۶۷۔ اس وزارت میں فضل الحق، ناظم الدین سہروردی، نوشیر علی، مہاراجہ سریش چندر انڈی، سر بیجے پرشاد سنگھ رائے، سر فلینی رنجان سرکار، مسٹر مکھنڈا بہاری ملک مسٹر پرسانا ڈیب راجکوٹ اور نواب سید مشرف حسین شامل تھے۔ عبد الرب، بحوالہ سابقہ، ص ۸۹ تا ۹۰۔

۶۸۔ تلکدار، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶

۶۹۔ بیگم شائستہ، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶

۷۰۔ ایس، ایم، اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۱۳۔ ۳۱۶

۷۱۔ عبد الرب، بحوالہ سابقہ، ص ۹۰

۷۲۔ جی الانہ، بحوالہ سابقہ، ص ۴۰۹

۷۳۔ ایضاً

۷۴۔ ایضاً

۷۵۔ صفدر محمود، پاکستان تاریخ و سیاست، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۔ ۲۹

۷۶۔ جمیل الدین احمد، بحوالہ سابقہ، ص۔ ۴۰۶ تا ۴۱۶ (قائداعظم اور وائسرائے خط و کتابت)

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ سٹینلے والپرٹ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۹۳

۷۹۔ اصفہانی۔ بحوالہ سابقہ، ص ۴۵

۸۰۔ تلکدار، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷

۸۱۔ ۵ مسلمان وزیروں کے نام درج ذیل تھے۔

۱۔ خان بہادر ایم عبدالقاسم

۲۔ خاں بہادر ایم، ہاشم علی خاں

۳۔ مسٹر شمس الدین احمد

۴۔ حبیب اللہ نواب آف ڈھاکہ

اور

۵۔ فضل الحق بحیثیت سربراہ پانچویں مسلم وزیر تھے۔

انڈین اینوئل رجسٹر، ۱۹۴۱ء، حصہ دوئم، ص ۔ ۴۰

۸۲۔ الزبیر، بحوالہ سابقہ، ص ۶۴۳

۸۳۔ انڈین اینوئل رجسٹر، حصہ دوئم، ۱۹۴۱ء، ص ۴۳

۸۴۔ عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۲، ۱۱۳

۸۵۔ ایضاً، ص ۔ ۱۱۵

۸۶۔ فضل الحق کا خط گورنر کے نام، عبدالرب، ص ۱۳۱

۸۷۔ ایضاً

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۸۹۔ ۲۱ اپریل ۲ ۱۹ء کی پولیس رپورٹ L / pj/۵/۱۴۹ نیشنل ڈاکومینٹیشن سنٹر۔ لاہور

۹۰۔ ایس، ایم، اکرام ص ۳۱۸

۹۱۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں دوسرے پندھرواڑے کی رپورٹ March - ii / Half of 1943

لاہور۔ L / p j/۵/۱۴۹

۹۲۔ ٹالبٹ، بحوالہ سابقہ، ص ۳۷

۹۳۔ ایضاً، ص، ۷۴ تا ۷۵

۹۴۔ شملہ کانفرنس کی تفصیل کیلئے دیکھئے وی۔پی مینن

The Transfer of Power in India ، بمبئی، ۱۹۵۷ء، ص ۱۸۲

۹۵۔ ایضاً

۹۶۔ ایضاً، ص ۲۳۱

۹۷۔ عبدالرب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۵۸

سہ ماہی مجلہ

فکرونظر

فکرونظر ادارہ تحقیقات اسلامی کا اُردو مجلّہ ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو مستقل تحقیقی تصانیف پیش کرنے کے علاوہ گذشتہ تیس برس سے اپنے عربی، انگریزی اور اردو مجلّات کے ذریعے اسلامی علوم، تہذیب، ثقافت اور زبان و ادب سے متعلق گرانقدر علمی مضامین کی اشاعت کا شرف بھی حاصل ہے۔ مجلّہ "فکرونظر" کے خصوصی شمارے اپنے اپنے موضوعات پر مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سیرت نمبر، یوم تاسیس نمبر، نفاذ شریعت نمبر، حج نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

بدل اشتراک

قیمت فی شمارہ: ۱۰ روپے
سالانہ چندہ: ۳۵ روپے

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵
اسلام آباد ۴۴۰۰۰
پاکستان